© rasailojaraid.com

سید اور غیر سید کے نکاح کا مسئلہ

ہمارا ایک مسئلہ ہے جس کی وجہ سے میری بہن بہت مشکل میں ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہمارا تعلق ہاشمی سید خاندان سے ہے اور میری بڑی بہن کی شادی بھی سادات قوم میں ہوئی ہے جو کہ پیر بھی ہیں۔ اب جبکہ میری دوسری بہن کی شادی خاندان سے باہر، ملک یعنی اعوان قوم میں ہوئی ہے، تو میری بڑی بہن کے سسرال والے یہ اعتراض کر رہے ہیں کہ سید قوم والے اپنی لڑکی کی شادی غیر سید سے نہیں کر سکتے ورنہ نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ اس بارے میں وہ کئی کتابوں کے حوالے دیتے ہیں جن میں سے ایک فتاویٰ رضویہ ہے۔ انھوں نے میری بہن کے میکے آنے جانے پر پابندی لگائی ہوئی ہے۔ جناب! ہم بہت پریشان ہیں۔ کیا واقعی ایسا ہے کہ ہاشمی سید، غیر قوم میں شادی نہیں کر سکتے؟

کیا ہاشمی سید "غیر قوم" میں شادی کر سکتے ہیں؟ اس سوال کا تعلق تین بنیادی امور سے ہے۔ اول، کیا قرآن و سنت، اہل ایمان میں، ہم قوم اور غیر قوم ہونے کی بنا پر کوئی تفریق تسلیم کرتے ہیں؟ دوم، کیا اسلام کے خاندانی نظام میں نکاح کے درست ہونے کے لیے "کفو" بنیادی شرط ہے؟ اور سوم، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کا عمل کیا ثبوت پیش کرتا ہے؟

اس سلسلے میں چند نکات آپ کے غور کرنے کے لیے تحریر کیے جا رہے ہیں۔

قرآن کریم انسانی زندگی کے آغاز و قیام کے حوالے سے فرماتا ہے: "لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اس جان سے اس کا جوڑا (زوج) بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے" (النساء ۴:۱)۔ یہی بات سورہ الحجرات میں بھی فرمائی گئی: "لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمھارے شعوب (قومیں) اور قبائل (برادریاں) بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمھارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار (متقی) ہے" (الحجرات ۴۹:۱۳)۔

ان قرآنی ہدایات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ انسان بربنائے تخلیق مختلف نہیں ہیں بلکہ ایک ماں باپ کی اولاد ہونے کے سبب یکساں ہیں۔ یہی وہ عالمگیر انسانیت ہے جس کی بنا پر اسلام نسل و رنگ اور قبیلہ و برادری کی عصبیت کے خلاف اخلاقی جہاد کے ذریعے انقلاب برپا کرتا ہے۔ چنانچہ فرما دیا گیا کہ وجہ امتیاز قبیلہ، ذات، برادری قوم نہیں ہے بلکہ تقویٰ، نیکی، پرہیزگاری، عمل صالح اور کردار و شخصیت ہے۔ قرآن کریم کے اتنے واضح قول فیصل کے بعد برادری یا قومیت کو بنیاد بنانا اور تقویٰ کو پس پشت ڈالنا وہی عمل ہے جسے بنی اسرائیل کی مثال دے کر قرآن پاک نے مختلف مقامات پر سخت ناپسند کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے افراد کو جو اپنے باپ دادا کے عمل اور روایات کو بنیاد بنا کر یہ کہا کرتے تھے کہ ہم نے تو اپنے آباواجداد کو یہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے ہوئے پایا' وہ تو کبھی فلاں قوم یا فلاں برادری کے باہر نکاح اور تعلقات قائم نہیں کیا کرتے تھے' گمراہ اور اللہ رب العالمین کی جگہ اپنے اجداد کو خدا بنانے والا قرار دیا ہے۔

سورۃ الاحزاب میں جس قدر (value) کو نہایت وضاحت سے پیش فرمایا گیا ہے' اس پر ایک نگاہ ڈالیے۔ فرمایا: "بالیقین جو مرد اور عورتیں مسلم ہیں' مومن بھی ہیں' مطیع فرمان ہیں' راست باز ہیں' صابر ہیں اللہ کے سامنے جھکنے والے ہیں' صدقہ دینے والے ہیں' روزہ رکھنے والے ہیں' اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں' اللہ نے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔ کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی معاملے میں فیصلہ کر دے تو پھر اسے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا" (الاحزاب ۳۳:۳۵-۳۶)۔

یہاں دو باتیں بالکل واضح ہو جاتی ہیں۔ اول' مرد اور عورت میں وجہ مساوات ان کا اسلام' ایمان' طاعت' راست بازی' صبر' اللہ کے سامنے جھکنا' صدقہ دینا' روزہ رکھنا اور اللہ کا ذکر کرنا ہے جو ان کے لیے اس دنیا میں ہدایت اور آخرت میں اجر کا باعث ہے۔ یہاں کسی اشارے کنایے میں یہ بات نہیں کہی گئی کہ شیخ' سید' پٹھان' جاٹ' انصاری' فاروقی' زیدی' علوی ہونا ہدایت یا آخرت میں کامیابی کی علامت ہے۔ نہ یہ فرمایا گیا کہ ان ذاتوں برادریوں یا "قومیتوں" کی بنا پر کوئی امتیاز قائم کیا جا سکتا ہے۔ ان کا مقصد صرف تعارف ہے' یعنی ایک دوسرے کو پکارنے اور ابلاغ عامہ کے لیے ایک نام سے یاد کرنا۔

دوم' یہ بات یہاں واضح ہو جاتی ہے کہ جو لوگ قرآن اور سنت سے ایک بات طے کر دینے کے بعد اپنے آباو اجداد کی دلیل لاتے ہیں اور خود فیصلہ کرنے کا اختیار زبردستی چند جاہلی باقیات کی بنیاد پر حاصل کرنا چاہتے ہیں' وہ ہدایت پر نہیں ہیں۔ قرآن کے اتنے واضح الفاظ میں ایک بات کہہ دینے کے بعد کسی اہل ایمان کے لیے اپنی بات پر اصرار کرنا نہ دانشمندی ہے نہ دین کے ساتھ محبت و تعلق کی علامت۔ اس لیے جتنی جلدی ہو سکے اس رویے کی اصلاح کرنی چاہیے۔

ایک برادری' نسل اور ماں باپ سے تعلق رکھنے والے ان انسانوں کے درمیان اگر فرق کی کوئی بنیاد ہو سکتی ہے تو وہ نسل یا برادری کی برتری نہیں ہے۔ بلاشبہ اسلام سے قبل طبقاتی اور قومیت و قبیلہ پر مبنی نظام پایا جاتا تھا لیکن اسلام نے ان تمام بتوں کو توڑ کر صرف تقویٰ اور عمل صالح کو برتری کی بنیاد قرار دیا۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رشتہ ازدواج کے حوالے سے یہ اصول بیان فرمایا کہ عام طور پر ایک عورت سے شادی' اس کی خاندانی شرافت یا حسن و جمال یا دولت کی بنا پر کی جاتی ہے لیکن سب سے بہتر یہ ہے کہ اس کے اخلاق و کردار کی بنیاد پر شادی کی جائے۔ یہ ثقافتی انقلاب اسلام ہی کا کارنامہ تھا۔ اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عملی اظہار کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی ایک اعلیٰ نسب کی ہاشمی صحابیہ حضرت زینب بنت جحشؓ کا نکاح ایک "غیر قوم" کے نوجوان صحابی حضرت زید بن حارثہؓ کے ساتھ خود فرمایا۔ گویا ایک ہاشمیہ اور غیر ہاشمی کا نکاح اپنے دست مبارک سے کر کے قیامت تک کے لیے اپنے عمل سے یہ مثال قائم کر دی کہ شادی بیاہ کی بنیاد' نسل و خون نہیں بلکہ تقویٰ اور عمل صالح ہے۔

پھر کیا وجہ ہے کہ ہمارے ہاں یہ عام تاثر پایا جاتا ہے کہ اعلیٰ نسب کے افراد کی شادی ان جیسے ہی اعلیٰ نسب گھرانوں میں ہو۔ بظاہر اس کا سبب "کفو" کا تصور ہے۔ ہمارے فقہا نے رشتہ ازدواج کے حوالے سے "کفو" کے عنوان کے تحت جو بحث کی ہے وہ قرآن و حدیث کے واضح ارشادات کے بعد ثانوی حیثیت اختیار کر جاتی ہے۔ حنفی فقہا چھ باتوں کو کفو میں شامل کرتے ہیں: اسلام' خاندان' پیشہ' حریت' دین اور مال۔ ظاہر ہے اگر ایک شوہر مسلم ہے اور بیوی اہل کتابیہ' تو اسلام کے لحاظ سے فرق کے باوجود نکاح باطل نہیں ہوا۔ یا ایک شوہر دین کے لحاظ سے عظیم فقیہ و مفسر ہے' جید محدث ہے جبکہ بیوی دین کا بنیادی علم' حرام و حلال کی حد تک جانتی ہے یا اس کے برعکس' تو دونوں صورتوں میں نکاح باطل نہیں ہو گا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ دین' تفقہ' تقویٰ' پاکبازی' صالحیت جیسے بنیادی اور اہم معاملات میں باہم فرق سے تو نکاح اور رشتہ ازدواج برقرار رہے لیکن اگر حسن' مال یا خاندان یا پیشہ میں فرق ہو تو رشتہ ازدواج خطرے میں پڑ جائے؟

بات نہ مشکل ہے نہ الجھی ہوئی نہ تھی۔ دراصل ہم بعض معاملات میں اپنے اجداد کی روایات کے اتنے سخت غلام ہیں کہ ان سے سر مو ہٹنا اپنے "دین" کے منافی سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ "دین" کون سا ہے؟ قرآن و حدیث کی واضح ہدایات والا یا اپنی روایات کی اندھی پیروی کرنے والا۔ یہ فیصلہ چونکہ آبا و اجداد کی روایات کے خلاف لے جاتا ہے' اس لیے گھوم پھر کر بات وہیں پر آ کر رکتی ہے کہ کیا ہمارے باپ دادا اور وہ فقہا جو "کفو" کے حوالے سے خاندان کا ذکر کرتے ہیں---- دین سے ناواقف تھے۔

جن فقہا نے "کفو" پر بات کی ہے' وہ کسی مقام پر یہ نہیں کہتے کہ اگر انتخاب تقویٰ' حسن' دولت اور خاندان میں ہو تو ایک فاسق و فاجر "اعلیٰ خاندان" والے' فلاں نسب والے سے شادی کر دی جائے۔ قرآن کا اصول ہے کہ صالح مرد کے لیے صالح عورت اور خبیث مرد کے لیے خبیث عورت۔ کسی بڑے سے بڑے فقیہ کی اجتہادی رائے بھی اس اصول کو تبدیل نہیں کر سکتی۔ بنیاد صالحیت' تقویٰ' عمل صالح اور نیکی ہے' نہ کہ کچھ اور۔

ہاں خاندان اور نسب کے بارے میں اگر ثانوی حیثیت سے غور کیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ ایک فرد تقویٰ' عمل اور ادب و اخلاق کے لحاظ سے کیسا ہے؟ اس کے اطوار و عادات کیسے ہیں یا جن دو گھروں میں قریبی تعلق پیدا ہونے جا رہا ہے' ان کا رہن سہن کیسا ہے؟ کیا دونوں میں کوئی مشترک اقدار ہیں یا بعد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

المشرقین؟ فرض کیجیے ایک گھرانے میں ہر فرد تعلیم یافتہ، ادبی ذوق رکھنے والا ہے جبکہ دوسرے گھر میں نہ تعلیم کا رواج اور شوق ہے نہ رہن سہن میں سلیقہ اور صفائی ہے۔ ظاہر ہے شادی کے بعد جب دو افراد اور دو خاندانوں کو ایک ساتھ رہنے کا اتفاق ہو گا تو ہر معاملے میں اس تضاد کی بنا پر مشکلات پیش آئیں گی۔ ایک معمولی سی مثال جو ہمارے معاشرے میں عام طور پر نظر آتی ہے، یہ ہے کہ بعض گھرانوں میں گفتگو میں جو زبان استعمال کی جاتی ہے، وہ ان کی اپنی روایات میں چاہے قابل اعتراض نہ ہو لیکن ایک نئے آنے والے فرد کے لیے وہ صدمے (shock) کا باعث بن سکتی ہے۔ اگر ایک لڑکے یا لڑکی نے بچپن سے اپنے والدین اور اقربا کو ایک دوسرے سے مخاطب ہوتے ہوئے "آپ" یا حد سے حد "تم" کا لفظ سنا ہو اور شادی کے بعد ہر لمحے اسے "تو" کہا جائے تو اس کا یہ سمجھنا کہ اسے کمتر سمجھ کر بات کی جا رہی ہے، بے جا نہ ہو گا۔ معاملہ حسن اور نسب کا نہیں، محض طرز تخاطب اور طرز عمل کا ہے۔ اخلاق و ادب کا ہے۔ گویا "کفو" کو ذات برادری یا کسی خاص طبقے تک محدود سمجھنا درست نہ ہو گا، اس کا اصل مقصود معاشرتی سطح پر قربت ہے، نہ کہ نسبیت و عصبیت۔

اگر اسلام بھی ہندوازم کی طرح ذات اور نسل پر مبنی ایک مذہب ہوتا تو جس طرح ہندوازم میں برہمن کی شادی برہمن اور ویش اور کھشتری کی شادی صرف اس کی ذات ہی میں ہو سکتی ہے، ویسے ہی اسلام میں بھی ہوتا۔ لیکن اسلام نے ان تمام جاہلی روایات کو توڑ کر زیدؓ کی شادی ایک ہاشمی النسل صحابیہ حضورؐ کی خونی رشتے دار کے ساتھ کر کے ایک نئی معاشرتی روایت کا آغاز کیا۔

امت مسلمہ کے لیے قابل عمل نمونہ آباو اجداد کی روایات نہیں، قرآن و سنت کی تعلیمات ہیں۔ اس لیے ہمیں ہاشمی سید اور "غیر قوم" کے خود ساختہ تصورات سے جو بڑی حد تک برصغیر کی مقامی روایات کے زیر اثر ہم نے اختیار کر لیے ہیں، نکلنا ہو گا۔ جہاں تک فتویٰ کا تعلق ہے، ترجمان القرآن کی یہ روایت رہی ہے کہ ہم مسائل کی تفہیم کے لیے تو مسئلے پر گفتگو کرتے ہیں لیکن ہماری کوئی رائے فتویٰ کے طور پر پیش کرنے کے لیے نہیں ہوتی۔ البتہ یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ ایک ہاشمی اور غیر ہاشمی کا نکاح ایک فرد کے غیر سید ہونے کی بنا پر فسخ نہیں ہوتا جیسا کہ حضرت زیدؓ کی مثال سے قرآن و حدیث نے خود واضح کر دیا ہے۔ ایک شادی شدہ خاتون کا اس کے میکے آنا جانا بھی ایسے کسی تصور سے متاثر نہیں ہوتا۔ ہمیں چاہیے کہ عائلی معاملات میں قرآن و حدیث کو اپنا رہنما بنائیں اور محض خاندانی روایات کی بنا پر کسی عمل کو اختیار نہ کریں۔ (ڈاکٹر انیس احمد)

© rasailojaraid.com